رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ روپے
ششماہی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ روپے

قیمت پرانا پرچہ (۳/)

ہفتہ وار
مملکت
ایڈیٹر:۔ میر حسن الدین

رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ روپے
ششماہی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ روپے

قیمت فی پرچہ (۲/)

جلد (۹) | ۱۳؍ دے سنہ ۱۳۵۹ ف | ۲۱؍ محرم سنہ ۱۳۶۹ھ روز یکشنبہ | ۱۳؍ نومبر سنہ ۱۹۴۹ء | نمبر (۳۱)

آر، ایس، ایس اور کانگریس

معاصرین کے تبصرے

جس بدترین چیز کی توقع کی جا سکتی تھی وہ بالآخر ظہور میں آگئی۔ کانگریس نے گاندھی سے منہ موڑ لیا اور گوڈسے کی راہ پر گامزن ہو گئی۔ پنڈت نہرو دہلی سے روانہ ہوئے ہی تھے کہ کانگریس اعلیٰ کمان اپنے راستہ سے منحرف ہو گئی اور راشٹریہ سیوک سنگھ کو کانگریس میں شرکت کی دعوت دی۔ یہ امر بالخصوص تعجب خیز ہے کہ اس قبل از قبل طے شدہ منصوبہ کو وزیر اعظم کی روانگی کے ایک گھنٹہ کے اندر ہی بروئے عمل لایا گیا اور مجلس عاملہ کے اس اجلاس میں مولانا آزاد اور دوسرے ارکان جو پنڈت نہرو کے غیر مذہبی مملکت کے تصور کے حامی ہیں ناگزیر اسباب کی بنا پر شریک نہیں تھے۔ مجلس عاملہ کانگریس ہی مورد الزام قرار پائے گی اگر اس افسوسناک دعوت کا جو سنگھ کو دی گئی ہے پبلک یہ مطلب لے کر ہندوستان سے باہر جانے والے وزیر اعظم کی پیٹھ میں خنجر بھونکا گیا۔ مملکت کی غیر مذہبی بنیاد سے بے وفائی کی گئی اور گاندھی جی نے جو کانگریسی تنظیم کی تھی اسے سنگھ کے ہاتھوں بیچ دیا گیا جہاں تمام چیزوں کی کڑا اور پر تشدد دشمن ہے جن کی گاندھی جی اور جواہر لال نہرو حامی ہیں۔ کانگریس کی جانب سے عائد کی ہوئی یہ منافقانہ شرط لغو ہے کہ راشٹریہ سیوک سنگھ کو کانگریس کے اندر ایک جداگانہ گروہ قائم کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی مگر راشٹریہ سیوک سنگھ کو اس قسم کا گروہ قائم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب کہ وہ لاکھوں کی تعداد میں کانگریس پر ہجوم کر کے اپنے ان پانچویں کالموں سے مل جا سکتی ہے جو پہلے ہی سے کانگریس کے اندر موجود ہیں اور اس طرح ساری کانگریس پارٹی کو اپنا ہم نوا بنا لے سکتی ہے؟ کانگریس یوں بھی آج ایک خالی خول ہے، ایک جسد بے روح ہے اور گاندھی کے نام اور نہرو کی ہر دل عزیزی پر جی رہی ہے۔ راشٹریہ سیوک سنگھ جیسی فاسسٹی تنظیم اس خلا کو اپنے سیاسی اور فرقہ وارانہ زہر سے پر کر سکتی ہے اور کانگریس کو مخالف سمت میں ڈھکیل سکتی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ سوشلسٹ اور ترقی پسند اشخاص جو کانگریس کے اندر و باہر موجود ہیں اور کانگریس اور سنگھ کے اس نئے محور سے پیدا شدہ خطرناک صورت حال سے بخوبی آگاہ ہیں اور وہ گاندھی جی اور پنڈت نہرو کی قیادت کی بقا کے لئے کانگریس کو نہیں بلکہ ملک کو بچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے۔ اب گاندھی جی اور گوڈسے دونوں میں سے کسی کا انتخاب کرنا ہے کوئی درمیانی صورت نہیں ہے۔ انتخاب کرنا اب اہل ملک کا کام ہے۔ (بلٹز، بمبئی)

کانگریس کی مجلس عاملہ نے ہمیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ کانگریس کے ادارے کو اپنے ہاتھوں ایک خلفشار میں مبتلا کر دیا ہے۔ مجلس عاملہ کے اس فیصلے کی کوئی اطمینان بخش توجیہ پیش نہیں کی جا سکتی کہ راشٹریہ سیوک سنگھ والے کانگریس میں شریک ہو سکتے ہیں جب تک کہ وہ جماعت غیر سیاسی رہے۔ ہمیں اس کا علم نہیں کہ یہ فیصلہ آیا محض سرسری طور پر کیا گیا ہے۔ یقیناً یہ فیصلہ اس وقت کیا گیا ہے جب کہ کمیٹی کے سات ممبر موجود نہیں تھے اور ان غیر حاضر ارکان میں پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا آزاد، ڈاکٹر پی سی گھوش اور مسز کرپلانی بھی شامل تھے۔ مجلس عاملہ کا فیصلہ خوفناک حقائق کو نظر انداز کر دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے جماعتوں کی گذشتہ عظیم الشان جلسوں، مظاہروں اور پریڈوں سے یہ امر بالکل واضح ہو چکا ہے کہ راشٹریہ سیوک سنگھ تہذیبی و تمدنی کاموں کو محض اپنے فولادی شکنجہ کے لئے بطور ظاہر فریب آڑ کے استعمال کر رہی ہے۔ اس چیز کو عام طور پر بھلا دیا گیا ہے کہ راشٹریہ سیوک سنگھ پر در اصل اس کے خانگی فوج ہونے کی وجہ سے پابندی لگائی گئی تھی۔ اگر ہم اس حقیقت کو نہ بھولیں تو ہم پر بخوبی واضح ہو جائے گا کہ راشٹریہ سنگھ کی اس فوجی حیثیت میں کوئی فرق رونما نہیں ہوا۔ اس چیز کے ختم ہونے کے بجائے اس میں اور زیادہ شان و شوکت آگئی ہے۔ مذہبی تقدس کا ترنج اصنام خواہ وہ کتنا ہی منظم کیوں نہ ہو راشٹریہ سنگھ کی

مملکت

مسلمان صبر کریں

یہ جانتے ہوئے کہ "علیحدگی" کا نظریہ حیدرآباد کے کل مسلمانوں کا نہیں بلکہ مٹھی بھر بزرگوں کا ہے معاصر "شعیب" نے اپنی اشاعت مورخہ ۲ نومبر [illegible] کے چند کالم دکن کے مسلمانوں کو صرف گالیاں دینے کے لئے ضائع کئے ہیں۔ ایک جگہ معاصر موصوف نے دکن کے مسلمانوں کو "گھوڑے، بھیڑ یا بیل" کی حیثیت دی ہے تو دوسری جگہ حکومت ہند کو مشورہ دیا ہے کہ وہ دکن کے مسلمانوں کو پاکستان روانہ کردے۔ اور اگر دکن کا مسلمان اپنے وطن میں رہنا چاہے تو وہ ایک اجنبی کی حیثیت سے رہے جس طرح غیر ممالک کے لوگ یہاں رہتے ہیں لیکن مسلمان اس سرزمین کا غلہ استعمال نہ کریں، پانی نہ پئیں، سڑکوں کو استعمال نہ کریں، شفاخانوں سے استفادہ نہ کریں، ان کے بچے یہاں کے اسکولوں میں نہ پڑھیں اور ان کی عورتیں اور بچے پولیس کی حفاظت کی توقع نہ رکھیں۔ آگے چل کر "شعیب" نے لکھا ہے کہ دکن کے مسلمانوں کو سرکاری ملازمت نہ دی جائے۔

سطور بالا میں ہم نے دکن کے مسلمانوں سے متعلق مولانا انیس الرحمن صاحب یا ادارہ "شعیب" کی رائے اور بدنصیب مسلمانوں سے متعلق موصوف کی تجاویز کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ اس مضمون کے پڑھنے کے بعد ہمارا پہلا ردعمل یہ ہوا کہ مولانا انیس الرحمن صاحب نے چار کالم کے طویل اداریہ میں مسلمانان دکن کے مستقبل سے متعلق یکے بعد دیگرے متعدد تجاویز پیش کرنے کے بجائے ایک چند سطری مضمون میں یہ تجویز پیش کر دیتے کہ مسلمانان دکن کو گولی مار دی جائے تو قصہ مختصر ہو جاتا مگر مولانائے محترم کو شاید یہ بھی پسند نہیں کہ یہ غریب طبقہ اس آسانی سے قید حیات سے نجات پا جائے۔ اس لئے ایک طویل اور پیچیدہ لائحہ عمل پیش کیا گیا ہے۔ ایک گرتے ہوئے انسان کو تو ہر کوئی ٹھوکر لگاتا ہے مولانا انیس الرحمن نے صرف یہ کیا کہ بجائے ٹھوکر لگانے کے اس زور سے لات ماری کہ گرا ہوا ہم سنبھلنے نہ پائے اگر یہ مسلمانوں کی ہمدردی میں کیا گیا ہے تو ہم گرتے ہوئے بھی مولانا کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے صدہا میل کی مسافت طے فرما کر یہاں تشریف لانے کی زحمت گوارا فرمائی اور ہم بیکسوں کو کچھ اور نہیں تو ایک لات ہی مار دی۔ شکریہ۔

پھر بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ جب مٹھی بھر مسلمان سیاسی دنگل سے علیحدہ رہنا چاہتے ہیں تو مولانائے محترم نے ساری مسلم آبادی کو کیوں ہدف ملامت بنانا ضروری سمجھا۔ ہمارے ایک کانگریسی مسلمان دوست نے کہا کہ اگر آج شعیب اللہ خاں زندہ ہوتے تو شاید وہ بھی مسلمانوں پر اتنا بھرپور وار نہ کرتے۔ سگریٹ خریدتے ہوئے ہم نے ایک رہبر کا یہ تبصرہ سنا "شعیب" تو حکومت کا پرچہ ہے۔ حکومت نے اس اخبار کو ایک لاکھ روپے دئے ہیں۔ اگر حکومت کا یہی منشا ہے جو "شعیب" کی زبانی ظاہر ہوا ہے تو پنڈت نہرو نے یہ کیوں کہا کہ مسلمانوں کو بھی یہاں رہنے کا حق ہے۔ انھیں وہی حقوق حاصل ہوں گے جو دیگر فرقوں کو حاصل ہیں"۔ غرض ناواقف طبقوں میں دہشت اور سراسیمگی پھیلی ہوئی ہے اور پڑھے لکھے سنجیدہ اور شریف مسلمان جنہیں کبھی بھی سیاسیات سے کوئی واسطہ نہیں رہا وہ عاشورہ کے روز اس مضمون کو پڑھ کر یہ کہہ رہے تھے "ہماری قسمت میں یہ گالیاں بھی تھیں دیکھئے اور کیا ہوتا ہے"۔

مولانا انیس الرحمن صاحب قبلہ سے ہمیں کبھی ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ پتہ نہیں کہ مولانا یہاں کی تیس سالہ پبلک زندگی کی تاریخ سے کس حد تک واقف ہیں۔ اگر مولانا اس کو گوارا کریں کہ دکن کا ایک مسلمان ان کے معلومات میں اضافہ کرنے کی جسارت کرے تو ہم عرض کریں گے کہ دکن کی تاریخ میں ہندو کو مسلمان سے اور مسلمان کو ہندو سے کبھی شہری اور قانونی نقطۂ نظر سے علیحدہ نہیں سمجھا گیا۔ دکن کا مسلمان طبعاً فرقہ واریت کا دشمن اور نیشنلزم کا علمبردار رہا ہے۔ اس مختصر سے مضمون میں اس دعوی کا ثبوت پیش کرنا مشکل ہے لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ اس دعوی کی تائید میں کافی شہادت موجود ہے۔ مولانائے محترم کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ دکن کے نیشنلسٹ مسلمان کو اپنی علیحدہ تنظیم پر مجبور کیا گیا۔ یہ قصہ ماضی ہے جس کا خمیازہ اس کو پولیس ایکشن کی صورت میں بھگتنا پڑا۔ اس واقعہ کے چند [illegible] مملکت ہی پہلا اخبار تھا جس نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنی جدید حیثیت کو سمجھ کر اقتدار کی سیاسیات سے ہٹ جائیں یعنی اُن جماعتوں میں شریک نہ رہیں جن کا مطمح نظر سیاسی اقتدار کا حصول ہو۔ اس کے بجائے وہ پیشہ ورانہ انجمنوں میں شریک ہو جائیں جہاں پیشہ کے مسائل زیر بحث رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کہیں کوئی مسلمان کسان باقی رہ گیا ہے تو اس کو چاہئے کہ کسان سبھا میں شریک ہو اور جو مزدور ہیں وہ مزدوروں کی انجمنوں میں۔ عام طور پر مسلمانان دکن کا موجودہ رجحان یہ ہے کہ وہ معاشی، سماجی، اخلاقی اور تعلیمی مسائل کو سلجھانے میں ضرور حصہ لیں البتہ اقتداری سیاسیات سے الگ رہیں۔ وہ تعلیم حاصل کریں، اپنے اخلاق کو درست کریں، "گھوڑے، بھیڑ یا بیل" بننے کے بجائے انسان بنیں، اپنے مذہب کی تعلیمات سے واقف ہو کر ان پر عمل پیرا ہوں، جھوٹ، منافقت، خوشامد، خیانت، جلب منفعت، دھوکہ فریب اور اس قسم کی مذموم خصلتوں سے دور رہیں، ایثار و ادب پیدا کریں اور ایک پُرامن اور وفادار شہری کی حیثیت سے حکومت کے قوانین کا احترام کرتے ہوئے زندگی بسر کریں۔ اگر مولانائے محترم کو مسلمانوں کا یہ عزم ناپسند ہو تو وہ مسلمانوں کو گولی کا نشانہ بنائے جانے کا مشورہ ضرور دے سکتے ہیں لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ انہیں سر بازار گالیاں دے کر ذلیل و خوار کیا جائے۔

سیاسیات سے دوری کے فیصلہ کی مولانا انیس الرحمن نے پانچ مختلف تعبیریں کی ہیں۔ ان میں سے بجز تعبیر نمبر (۲) کے بقیہ ساری تعبیریں غلط، شر انگیز، مسلمانوں کو مزید پریشانی میں مبتلا کرنے والی اور ہندو بھائیوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنے والی ہیں۔ تعبیر نمبر (۲) جس کے صحیح ہونے کا ہم نے اعتراف کیا ہے یہ ہے کہ "ہندو دکن کے بلا شرکت غیرے مالک و مختار ہیں وہ جس طرح چاہیں

دکن کی حکومت کو چلائیں۔ دکن کے مسلمانوں کی اس حقیقت پسندی کی داد دینے کے بجائے مولانا نے محترم انھیں دبی زبان سے اس پر ابھار رہے ہیں کہ وہ ہندوؤں کے خلاف بغاوت کریں۔ ہم مولانا کو یقین دلاتے ہیں کہ دکن کا مسلمان ایسی غداری نہیں کر سکتا وہ وفادار رہنا چاہتا ہے اور اکثریت کے ہر فیصلہ کو تسلیم کرتا ہے۔ اگر دکن کا ہندو یہ چاہے کہ حیدرآباد کی لسانی ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے تو کیا خدانخواستہ دکن کا مسلمان اس کی مخالفت کر کے جمہوریت کے نام کو بٹہ لگائے گا۔

مولانا انیس الرحمن کو اطمینان دلانا چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنی کوئی علیحدہ سیاسی تنظیم کر کے مولانا کے لئے دردِ سر کا باعث نہ بنیں گے۔ مولانا شاید اپنے دیرانہ فرائض انجام دیں۔ بجائے انڈو نیشیائی مسلمانوں کو یہاں بسانے کے بہتر ہو مولانا نے رائے دی ہے ——— یوپی اور بہار کے مسلمانوں کو یہاں لا کر بسایا جائے اور ان کے لئے ایک محکمہ نوآبادی اور امپلائمنٹ ایکسچینج قائم کرائیں وہ جو چاہیں کریں دکن کا پریشان حال مسلمان زبان تک نہیں کھولے گا۔ یہ اطمینان دلانے کے بعد کہ مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی تنظیم نہیں کی جائے گی مسلمانوں سے یہ کہنا کہ وہ یا تو کانگریس میں شرکت کریں یا بھوک اور پیاس سے تڑپ کر مر جائیں ایک ایسی عجیب و غریب منطق ہے جس کو سن کر پنڈت نہرو بابو راجندر پرشاد، مسٹر راجگوپال چاری، ونوبا بھاوے اور پنڈت سندر لال یقیناً دنگ رہ جائیں گے۔ کیا سیاسیات میں شرکت کانگریس میں شرکت کے مترادف ہے؟ ایک مسلمان سوشلسٹ پارٹی میں شریک ہو تا ہے کیا اس پر بھی مولانا انیس الرحمن کھانا پانی بند کر دیں گے؟ کیا اس کو ہسپتالوں اور مدارس سے استفادہ کا حق نہ ہوگا؟ ایک مسلمان ٹریڈ یونین یا کانگریس میں شرکت کرتا ہے کیا اس جرم میں اس غریب کو جلاوطن ہو کر پاکستان جانا پڑے گا؟ ہمیں یقین ہے کہ مولانا انیس الرحمن نے جو غضب ناک دھمکیاں مسلمانوں کو دی ہیں وہ ایسی دھمکیاں ہیں جو راشٹریہ سیوک سنگھ کے کسی لیڈر نے آج تک مسلمانوں کو نہیں دیں۔ کسی کٹر سے کٹر ہندو اخبار نے آج تک مسلمانوں کو گھوڑے بھینس بیل نہیں کیا۔ خیر اگر مولانا کا یہ مسلک "شعیب" کی تجارتی کامیابی کے لئے ضروری ہے تو ہم اس پر معترض نہیں ہوتے۔ مولانا جو چاہیں کہیں۔ ہم صبر کریں گے۔ "گھوڑے بھینس بیل" اس کے سوا کر ہی کیا سکتے ہیں۔

امریکہ اور مشرق وسطیٰ

قاہرہ ۵ نومبر۔ سعودی حکومت کے نائب وزیر خارجہ شیخ یوسف یٰسین نے آج ممالک متحدہ کو اس امر سے متنبہ کر دیا ہے کہ وہ مشرق وسطیٰ میں اس نوعیت کے پروپگنڈے کو ختم کر دے جس سے وہاں کے سیاسی اور معاشی فیصلے متاثر ہوتے ہیں اس کے بجائے وہ مشرق وسطیٰ کے ساتھ ایسا اشتراک عمل کرے جو مفید اور کار آمد ہو سکے۔

اس خصوصی ملاقات میں اسی عرب سیاس نے یونائیٹیڈ پریس آف امریکہ کے خصوصی نمائندے سام سوتی سے اجتماعی صحافتی معاہدے کے مسودے کی اس کی تجویزوں کی تعریف کی جو حالیہ عرب لیگ کے اجلاس میں مرتب کئے گئے ہیں اور کہا کہ صرف عرب لیگ کا مشوری عرب دنیا کے لئے ایک قابل اعتماد و نمائندہ ادارہ ہے یہ کہتے ہوئے انھوں نے عظیم تر شام کی تخلیق کی خوش فہمیوں کو ناقابل اعتماد قرار دیتے ہوئے گفتگو کو ختم کر دیا۔

نمائندے نے ان سے دریافت کیا کہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ امریکیوں کو مشرق وسطیٰ سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں ہے اور کیا وہ اس خصوص میں وہ اپنا موثر کام انجام دے سکتے ہیں یا نہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ "چونکہ ممالک متحدہ ایک عوامی حکومت رکھنے والا ملک ہے اس لئے ایک اکثریت یہ باور کر سکتی ہے کہ آیا حکومت فلاح و بہبود کے لئے کام کر سکتی ہے یا نہیں۔ امریکی حکومت نے حال ہی میں مشرق وسطیٰ کے معاملات سے دلچسپی لینی شروع کی ہے یہی وجہ ہے کہ ممالک متحدہ میں جو فیصلے ہوتے ہیں مشرق وسطیٰ کے مفادات سے ٹکراتے ہیں۔ اختلاف آراء کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ مشرق وسطیٰ کی حقیقی صورت حال سے عدم واقفیت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مستقبل کے امن کی خاطر اور عوام کے معیار زندگی کو بڑھنے کے لئے اور انسانی اشتراک و فلاح کے واسطے ممالک متحدہ کو چاہئے کہ وہ مشرق وسطیٰ کے حقیقی مسائل کا گہری نظر سے مطالعہ کرے چونکہ مشرق وسطیٰ نوع انسان کی ترقی کی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے ممالک متحدہ کو چاہئے کہ وہ اس علاقہ سے ایسا اتحاد و اشتراک عمل کرے جس سے یہاں کے مفادات کی تائید حاصل ہو اس علاقہ میں ممالک متحدہ کو ہرگز ایسے پروپگنڈہ کی اجازت نہ دینا چاہئے جس کے اثر سے مشرق وسطیٰ کے سیاسی اور معاشی فیصلے تیار ہوتے ہوں۔"

مسٹر یٰسین نے پیش قیاسی کرتے ہوئے کہا موجودہ صورت حال میں جو مشکلات رونما ہوئی ہیں عرب لیگ ان پر قابو حاصل کرے گی۔ اور کہا کہ ۱۹۴۵ء سے جب سے کہ عرب لیگ قائم ہوئی ہے اس نے بہت ساری مشکلات پر عبور حاصل کر لیا ہے۔

راشٹریہ سیوک سنگھ کے خلاف مظاہرہ

بمبئی ۷ نومبر کل شام شیواجی پارک میں راشٹریہ سیوک سنگھ کے صدر گرو گولوالکر کے خیر مقدم کے لئے بمبئی کے ممتاز شہریوں کی جانب سے ایک خیر مقدمی جلسہ ترتیب دیا گیا تھا لیکن سنگھ کے خلاف مظاہرہ کرنے والے سوشلسٹ کارکنوں سے تصادم کی وجہ سے بدنظمی پیدا ہو گئی جس کے نتیجے کے طور پر کئی سوشلسٹ زخمی ہو گئے جنھیں دواخانہ شریک کیا گیا۔ اس سلسلہ میں بتلایا گیا ہے کہ تقریباً (۳۰) سوشلسٹوں نے شیواجی پارک کے باہر راشٹریہ سیوک سنگھ کے خلاف نعرے لگائے جب کہ مسٹر گولوالکر عوامی انجمن کو مخاطب کر رہے تھے ان سوشلسٹوں نے جلسہ گاہ میں داخل ہونے کی کوشش کی جس کی مزاحمت راشٹریہ سیوک سنگھ کے رضاکاروں نے کی جس کا نتیجہ تصادم کی صورت میں نمودار ہوا جس کی وجہ سے کئی سوشلسٹ بری طرح زخمی ہو گئے پولیس فوراً ہی موقع واردات پر پہنچ گئی اور صورت حال پر قابو پا لیا۔

اعلان

انجمن امداد طبی برائے خواتین و اطفال

انجمن امداد طبی برائے خواتین و اطفال حیدرآباد دکن کے زیر اہتمام اے سی گارڈز روڈ نامپلی پر امراض جنسی کا مرکز علاج ۴ نومبر سے قائم کیا گیا ہے جس کے اوقات ۸ تا ۱۲ ساعت دن مقرر کئے گئے ہیں۔
حاملہ عورتوں کی بہ حیثیت مریضان مقیم رہائش کا بھی انتظام ہے۔

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

بلا تنقید:۔

جس طرح انگریزوں کے زمانہ
میں مسلمان محض انگریزی نوکری
کا بھوکا تھا اور ملک جہنم میں
جائے اسے پرواہ نہ تھی۔ انگریز
جس طرح چاہیں لوگوں کو دار
پر چڑھادیں مسلمانوں کو اس
سے مطلب نہ تھا اسی طرح
اب وہ ہندوؤں کی وفادار
رعایا بن کر رہنا چاہتے ہیں
اور نوکری کرنا چاہتے ہیں اور
سرکار اور مائی باپ کے جان
و مال کو دعائیں دینا چاہتے
ہیں۔ (شیب ۲ نومبر)

معاصر "شیب" نے ۲ نومبر کے اداریہ میں تحریر کیا ہے کہ:۔

حیدرآباد کے مسلمان گھوڑے
بھینس یا بیل ہیں جنہیں محض
پانی اور چارہ چاہیے۔

نہیں صاحب! یہاں کے
مسلمان تو گدھے ہیں ورنہ جناب کو یہاں تشریف
لانے کا موقع کیسے ملتا!

"شیب" نے اسی اداریہ میں اعلان کیا ہے کہ:۔

ہمیں ملازمین کی ضرورت
ہوگی تو ہم انڈونیشیا سے لوگوں
کو بلالیں گے کیونکہ انڈونیشیا
کے مسلمانوں کو حیدرآباد کے
ان مسلمانوں کی بہ نسبت
ہندوستان سے کہیں زیادہ
دلچسپی ہے۔

حیدرآباد اسٹیٹ کانگریس،
سوشلسٹ پارٹی، ٹریڈ یونین کانگریس آریہ پرتی
ندھی سبھا، انجمن پست اقوام، اور ہندو مہا سبھا
کے لئے لمحہ فکر۔ ہماری رائے میں ان جماعتوں

کو چاہیے کہ ایک کل جماعتی کانفرنس طلب کر کے
مولانا انیس الرحمن قبلہ کی اس تازہ ترین دھمکی پر
سوچ بچار کریں۔ اب تک تو یہاں کے ہندو مدراس
بمبئی میسور اور سی۔ پی کے ہندوؤں کی جان کو رو رہے
تھے اب اگر مولانا انیس الرحمن انڈونیشیا کے مسلمانوں
کو ان پر مسلط کردیں تو ایک عجیب و غریب سانحہ
ہوگا۔ کل جماعتی کانفرنس کو مولانا سے سمجھوتہ کرلینا
چاہیے تاکہ وہ انڈونیشیائی مسلمانوں کے بجائے
یو۔ پی اور بہار کے مسلمانوں پر اکتفا کریں۔ کیا
عجب کہ مولانا اس سمجھوتہ کو قبول فرمالیں۔

ہمیں یہ دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے کہ یہ علحدگی کا
نظریہ حیدرآباد کے کل مسلمانوں کا نہیں بلکہ محض
مٹھی بھر لوگوں کا ہے۔ (شیب ۲ نومبر)

چلو چھٹی ہوئی! ان مٹھی
بھر لوگوں کو "جن کا دماغ ابھی نہیں بدلا" گولی مار
دی جائے تو "شیب" کے لئے راستہ صاف ہے۔

معاصر "شیب" کا ارشاد ہے کہ:۔

مسلمان اس ملک میں رہنا
چاہتے ہیں لیکن اس کے دکھ
درد خوشی و غمی یا آفات ارضی
و سماوی میں شریک رہنا نہیں
چاہتے۔

آفات ارضی و سماوی میں
مسلمان سب سے زیادہ شریک ہیں البتہ مولانا
انیس الرحمن اس سے محفوظ ہیں۔

معاصر شیب دریافت کرتا ہے کہ:۔

لیکن وہ کونسا انقلاب آگیا
کہ مسلمانوں کو حیدرآباد سے
کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی۔

جب سے مولانا انیس الرحمن
یہاں تشریف لائے ہیں حیدرآباد سے دلچسپیوں کا
مولانائے محترم کو ٹھیکہ حاصل ہوگیا ہے۔

کانگریس کا ساتھ دو۔
اسلامزم کی تبلیغ کرو۔
مولانا حفظ الرحمن کے ملفوظات
(ایام کی سرخیاں)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا
کے نزدیک ان دو اجزاء کے امتزاج سے غیر مذہبی
مملکت وجود میں آتی ہے۔ بہرحال علماء کی باتیں
عامیوں کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔

بھاتا ہے دل کو کلام خطیب
مگر لذت شوق سے بے نصیب
سمجھ کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا

مولانا حفظ الرحمن نے حشمت گنج میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

مسلمانان حیدرآباد کو محسوس
کرنا چاہیے کہ ہندوستان ایک
غیر مذہبی جمہوری مملکت
ہے جس میں ہر شہری کو مساوی
حقوق حاصل ہیں۔

مولانا کو خبر نہیں کہ اس غیر مذہبی
جمہوریت میں مسلمانوں کا حصہ صرف ½ ۱۲ فی صدی ہے

مولانا حفظ الرحمن نے ایک تقریر میں فرمایا کہ:۔

پچھلے دور میں رضاکاروں
نے ظلم اور پاپ کیا تو پلیس
ایکشن کے بعد ہندوؤں نے
ظلم کیا۔

مگر معاصر "سیاست" اس کو
تسلیم کرنے تیار نہیں۔ معاصر موصوف کی رائے
میں اقلیتی فرقہ پر ظلم نہیں ہوا وہ صرف سہم گیا تھا۔

مولوی ابوالحسن سید علی نے جدید موازنہ کی نسبت "اردو
نیوز" سے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ:۔

میرا خیال یہ ہے کہ حیدرآباد
کی تاریخ میں سب سے بڑا
اور قومی تعمیری حیثیت سے
بہت اچھا موازنہ ہے۔

ہمارے خیال میں مولوی صاحب
نے اپنی سیاسی زندگی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ موازنہ
کی تعریف کی ہے۔

اُردو کا مستقبل

از

پروفیسر احتشام حسین

اردو کے مستقبل کا تعلق ہندوستان کے سیاسی مستقبل سے ہے۔ اس وقت یہاں فرقہ پرستی کی طاقتیں جمہوری طاقتوں سے برسرِ پیکار ہیں اور جو جمہوریت کے مدعی بھی ترقی کی ہر راہ میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں اور ان طاقتوں سے سمجھوتہ کر رہے ہیں جو جمہوریت کے پیر اکھاڑ سکتی ہیں۔ تاہم اپنی جنگ آزادی اور قوم پرستی کی روایتوں کو برقرار رکھنے کے لئے وہ فرقہ پرستی کی مخالفت کر رہی ہیں۔ سارے جمہوریت پسند اس سلسلہ میں ان سے متفق ہیں اور ان کے ہاتھوں کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ رجعت پسندی فتح حاصل کر کے آزادی کی دولت کو فاشزم میں نہ تبدیل کر دے۔ فلسفۂ تاریخ اور سماج کے اصولوں کے مطالعے نے انسان کو اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ چاہے تو اپنے عزم اور ارادے کی اجتماعی طاقت سے تاریخ کو اپنے خوابوں کے سانچے میں ڈھال سکتا ہے۔ اس لئے اگر صحیح جمہوری نصب العین رکھنے والی جماعتوں کے تعاون سے ہندوستان میں ایک جمہوری غیر مذہبی اور ترقی پسند نظامِ حکومت قائم کیا جائے تو ان قدروں کے فنا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو صحت مند ہیں جو ملک کی ترقی کی راہیں رکاوٹ ڈالنے کے بجائے اسے مضبوط بناتی ہیں۔

اردو زبان کا تحفظ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ جو اردو کے بہی خواہ ہیں ان قوتوں سے تعاون کریں جو اسے زندہ رکھنا چاہتی ہیں، جو اسے فرقہ پرستی، تعصب اور رجعت پسندی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے سے بچا سکتی ہیں۔ تاریخ کی تشکیل میں شریک ہو کر زبان کا تحفظ کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح اُردو کے مستقبل کا مسئلہ خود ہندوستان کے مستقبل کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ ہندوستان میں آزاد، ترقی پسند، غیر مذہبی جمہوریت قائم ہوگی یا مذہبی حکومت کا دور دورہ ہوگا؟

دونوں حالتوں میں اردو کا مستقبل دو شکلیں رکھے گا۔ پہلی حالت میں اُردو زبان، سماج کے ارتقاء کا ایک اہم آلہ بن کر زندہ رہے گی۔ دوسری حالت میں اسے دیش نکالا مل جائے گا۔ اس وقت مشترک قومی تمدن کے تمام صالح اجزاء طوفان میں بہہ جائیں گے اور پھر برسوں کے بعد حالات بہتر ہوتے بھی تو اظہارِ خیال کے ذرائع اچھے خاصے بدل چکے ہوں گے اور زبان کو اس کی قدیم اصل حالت پر لانا آسان نہ ہوگا۔ موجودہ قومی اور بین الاقوامی حالات کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مستقبل عوام کے ہاتھوں میں ہے۔ عوام اپنے سیاسی شعور کے لحاظ سے فرقہ پرست نہیں ہوتے اس لئے ہندوستان میں جمہوریت ہی کا بول بالا ہوگا۔ فرقہ پرستی، رجعت پسندی، سرمایہ داری، اصلاح پسندی کی کشتیوں کو الٹ دینے کے لئے بہت سے طوفان بے تاب ہیں۔

"اس لئے اگر اردو زبان میں وہ اجزاء پائے جائیں گے جو ترقی پسندی، آزادی، جمہوریت، عوام دوستی اور انسانیت کے جذبات سے مملو ہیں تو اردو ضرور زندہ رہے گی۔"

اردو کی روایت ماضی میں شاندار رہ چکی ہے جس میں آزاد خیالی، وسیع النظری، انسانی بہبودی کے جذبات شروع ہی سے ملتے ہیں۔ سامراج دشمنی، قوم پرستی اور اتحاد کے خیالات اس میں بسے ہوئے ہیں۔ ترقی اس کی رگ رگ میں ہے اس لئے اگر آج بھی اس زبان میں اپنی ان روایتوں کو برقرار رکھا تو یہ ملک کی بڑی ضروریات کو پورا کرے گی۔ رجعت پسندی سے لڑنے اور تنگ دلی اور تنگ نظری کا مذاق اڑانے کے لئے اسے صرف زندہ ہی نہیں رہنا ہے بلکہ ترقی کرنا ہے۔

اتحاد کی نشانی

رجعت پرست اسی وجہ سے اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔ کہ یہ قومی اتحاد کی نشانی ہے۔ اتحاد کی اسی روایت کو برقرار رکھنے کے لئے زندہ رہنا ہے۔

اردو زبان کی یہ بڑی خصوصیت رہی ہے کہ اس نے ہر اس زبان سے الفاظ لئے ہیں جن سے یہ ملی ہے۔ اس سے اسی طرح اپنا خزانہ بھرا ہے۔ آج بھی اس کی اس فطرت کو نئے الفاظ نئے خیالات اور نئے انداز لینے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

"اردو میں آسان پسندی کی ایک اور روایت بہت دنوں سے پائی جاتی ہے کچھ دنوں سے تو اس نے ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اس روایت اور اس تحریک کو عام بنا کر اردو کو زیادہ سے زیادہ عام فہم بنانا چاہئے تاکہ یہ زبان عوامی تحریکوں کا آلۂ کار بن سکے اور جمہوری ترقی پسندانہ خیالات سے مالا مال ہو کر عوام کے دل میں گھر کر سکے۔"

خیال ہے کہ تعلیم کی ترقی کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ بہت سی پراکرتیں اور بولیاں ختم ہو جائیں گی۔ لیکن پراکرتوں میں بہت کچھ ایسا ہے جسے زندہ رہنا چاہئے۔ اردو کے دامن کو اتنا وسیع ہونا چاہئے کہ وہ پراکرتوں کے ان اجزاء کو اپنے اندر جذب کر لے جو زندہ رکھنے کے لائق ہیں۔ اس طرح گو زبان کی سطح نیچے آ جائے گی لیکن اس کی وسعت میں اضافہ ہوگا۔ زبان کا معیار کبھی ایک نہیں رہتا اس لئے صرف پاکیزگیٔ زبان کے خیال سے اسے قلعہ بند کر دینا درست نہ ہوگا۔

اس سلسلہ میں رسم خط کی بحث بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے کچھ لوگ اردو رسم خط کو مکمل سمجھتے ہیں اس میں تبدیلی نہیں چاہتے کچھ لوگ اصلاحات چاہتے ہیں، نستعلیق کے بجائے ٹائپ کا رواج دینا چاہتے ہیں، کچھ لوگ اُردو رسم خط کو ناقص سمجھ کر ترک کرنا چاہتے ہیں، کچھ ایسے ہیں جو وقت کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے رومن یا دیوناگری رسم خط کو اردو کے لئے بھی مفید خیال کرتے ہیں۔ یہ سارے مسائل بحث طلب ہیں جن پر پھر کسی وقت اظہار خیال کیا جائے گا۔

مختصر یہ ہے کہ اُردو کی بقاء کا مسئلہ ہندوستان کے سیاسی مستقبل سے گہرا تعلق رکھتا ہے اور اُردو سے دلچسپی لینے والے اُس کی بقاء میں مدد کر سکتے ہیں۔ ایک طریقہ وہی ہوگا جس کا ذکر اوپر ہوا یعنی سیاسی اور سماجی حیثیت سے ان جماعتوں کے دست و بازو کو تقویت پہنچانا جو جمہوری اور ترقی پسند ہیں۔ دوسرا طریقہ اُردو کے دامن کو ہر حیثیت سے وسیع کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ یہ سب کچھ اس بات پر مبنی ہے کہ اُردو لکھنے والے

(باقی بر صفحہ ۷)

ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات

معاصر "الجمعیۃ" کا تبصرہ

کانگریس نے جمعیت علماء کی مخالفت کے باوجود ملک کی تقسیم کو اس لئے منظور کیا تھا کہ روز روز کی توتو میں میں سے نجات مل جائے اور کسی کے کام میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ اس نے سوچا تھا کہ اگر اب لیگ کے مطالبہ کو نہ مانا گیا تو مشترک ہندوستان میں کام کرنا مشکل ہو جائے گا اور یہ رسہ کشی ہندوستان کو آگے نہ بڑھنے دے گی۔ پاکستان اپنی حدود میں آزادی کے ساتھ عمل کرے اور کانگریس آزادی کے ساتھ ہندوستان کی خدمت میں لگ جائے۔ چنانچہ اس خیال کے پیش نظر کانگریس مجبور ہوئی کہ پاکستان کے قیام کو منظور کرے اور مخالف عناصر کو اپنی صوابدید پر عمل کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دے۔ اب چاہئے تو یہ تھا کہ دونوں کو اپنی اپنی جگہ اطمینان اور امن حاصل ہو جاتا اور ان دونوں کو تعاون اور دوستداری کے سوا ایک دوسرے سے سروکار نہیں رہتا لیکن افسوس ہے کہ یہ مقصد پورا نہ ہوا اور تقسیم کی قربانی بھی کام نہ آئی۔ ہندوستان محسوس کرتا ہے کہ پاکستان بنا کر بغل میں پھوڑا پیدا ہو گیا۔ اور بیٹھے بٹھائے ایک مصیبت نازل ہو گئی۔ پاکستان سمجھتا ہے کہ ہندوستان سے خیر کی کوئی امید نہیں خبر نہیں کہ اس کی وجہ سے پاکستان کو کب پریشان ہونا پڑے گا اور کب اس کی ہستی خطرہ میں پڑ جائے گی اور جب اس خطرے کا مقابلہ کرنا ہی ٹھیرا تو کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ اس کی فوجی طاقت مضبوط ہو اس کا ڈیفنس قابل اطمینان ہو اور اس کی معاشی حالت بگڑنے نہ پائے گویا اپنی جگہ دونوں بے چین ہیں اور دونوں ہی کو ایک دوسرے سے خوف لگا ہوا ہے۔ اس بات کو جانے دیجئے کہ ملک کی تقسیم کا مقصد کہاں تک حاصل ہوا۔ ابھی آپ تو سوچئے کہ یہ صورت حال کسی درجہ میں قابل برداشت ہے کیا اس اضطراب اور بے اعتمادی کا سلسلہ یونہی چلتا رہے گا۔ کیا ان حالات میں دونوں کو پنپنے اور ترقی کرنے کا کوئی موقع مل سکتا ہے؟ یہ ناممکن ہے کہ دونوں ملکوں کے تعلقات خراب ہوں اور دونوں طرف کے باشندوں پر ان کا اثر نہ پڑے۔ چنانچہ حکومتوں کے ساتھ عوام بھی پریشان ہیں اور ہندو مسلم سوال کا زخم ہرا ہوتا رہتا ہے۔ سوچئے کہ کتنی بڑی مصیبت ہے کہ ہند اور پاکستان کے چالیس کروڑ باشندے بے چینی کی زندگی بسر کریں۔ اور آزادی راحت بننے کی بجائے مصیبت بن جائے۔ یہ دیکھ کر بہت ہی افسوس ہوتا ہے کہ ہندوستان نے آزادی اور ملک کی تقسیم کی بڑی سے بڑی قیمت ادا کی مگر اس کا پھل کسی کو نہ ملا اور دونوں کی ناگواری اور ناچاقی کا خاتمہ کسی طرح بھی بار آور نہ ہوا۔ آخر ایسی زندگی سے کیا فائدہ جو شب و روز خلش اور دغدغہ میں گزرے اور چالیس کروڑ انسانوں کو آٹھ روز کی راحت بھی نصیب نہ ہو۔

ضرورت تھی کہ ہندوستان اور پاکستان کے کچھ سلیم الطبع اور دانش مند لوگ کھڑے ہوتے اور دونوں ڈومنین کے تعلقات کو خوشگوار بنانے غلط فہمیوں کو دور کرنے اور تعاون اور دوستداری کے جذبات کو ترقی دینے کی کوشش کرتے اور ایسی محبت کی فضا پیدا کرتے جس میں دونوں کے باشندوں کو اطمینان کی سانس لینے کا موقع ملتا۔ لیکن بدقسمتی سے دو سال گزر گئے اور اس جانب کسی کو توجہ دینے کی مہلت نہ ملی غلط فہمیوں پر غلط فہمیاں پیدا ہوتی چلی گئیں الجھنیں بڑھتی چلی گئیں۔ تعلقات پر تعلقات خراب ہوتے چلے گئے۔ لیکن ملک کے امن پسندوں اور انسانیت کے خادموں کو ان کے نتائج کا ادراک نہ ہوا۔ اور ہمارا تماشہ ساری دنیا تبسم زیر لب ہو کر برابر دیکھتی رہی ایسی حالت میں اگر کچھ لوگ اس مقصد کے لئے میدان میں نکلتے ہیں اور یہ بیڑا اٹھاتے ہیں کہ وہ دونوں کو رشتہ مودت میں پرو کر رکھیں گے اور بے اعتمادی کو دور کر کے اعتماد کی فضا کو بحال کریں گے۔ تو اندازہ لگائیے ہم اس پر ساری خوشی کے ساتھ کرنا چاہئے۔ یہ بات یقیناً ہمارے لئے باعث فخر ہے کہ اس مبارک کام کی تحریک انڈیا پاکستان فرینڈ شپ ایسوسی ایشن کے نام سے دہلی سے شروع ہوئی ہے اور دونوں ملکوں میں اس کا خیر مقدم ہو رہا ہے۔ اگرچہ ایسوسی ایشن نے اپنی جدوجہد کے دائرہ کو دونوں کی سماجی تہذیبی اور اقتصادی تعلقات کی بحالی اور تعاون اور دوستداری کے جذبات کی ترقی تک محدود کر دیا ہے لیکن ان کی ترقی سے دونوں کی سیاست کا متاثر ہونا ضروری ہے۔ اقتصادی تعاون، تہذیبی مفاہمت، سماجی تعلقات ہی وہ اجزا ہیں جن سے سیاست کی منزل میں رہنمائی اور سلامت روی کا فرض انجام دیتے ہیں۔

ایسوسی ایشن کے صدر چارلس کوٹر نے اسی سلسلہ میں جو بیان دیا ہے وہ یقیناً دونوں کے چالیس کروڑ انسانوں کی ترجمانی کرتا ہے اس میں کہا گیا ہے کہ اگر ہندوستان اور پاکستان اپنے عوام کا معیار بلند کرنا اور بین الاقوامی امن اور تعاون کے لئے کوئی پارٹ ادا کرنا چاہتے ہیں تو وہ امن کی زندگی بسر کرنا سیکھیں۔ آپس کے دوستانہ تعلقات کو ترقی دیں اور ایک دوسرے کے محرکات اور جذبات کا احترام کریں اگرچہ ہند اور پاکستان دو مستقل اور علیحدہ علیحدہ ادارے ہیں لیکن دونوں حکومتوں کا امن اور خوش حالی ایک دوسرے کی خیر سگالی پر منحصر ہے ہندوستان کو ایک مضبوط اور پرامن پاکستان کی ضرورت ہے اور پاکستان کو ایک خوش حال اور پائیدار ہندوستان کی ضرورت ہے اسی لئے دونوں طرف کے باشندے ایک دوسرے کی خوشی اور مرفہ الحالی کے لئے کوشش کریں اور کھوئے ہوئے اعتماد کو بحال کرنے کی راہ نکالیں۔ ہم اس بیان کا خیر مقدم جس قدر بھی زیادہ کریں کم ہے لیکن یہ بات بھی عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ چند امن پسندوں کی خواہش سے دونوں کا بگاڑ دور نہیں ہو سکتا۔ یہ معاملہ چالیس کروڑ انسانوں کا ہے جس کے لئے بنیادی اور ٹھوس کام کرنے کی ضرورت ہے اگر صاف صاف بات سننا چاہیں تو ہم یہ عرض کریں گے کہ جب دونوں ملکوں کی اقلیتوں کو اطمینان حاصل نہ ہوگا اور یہ ان کا دل ہی گواہی دے گا کہ وہ خطرہ سے نکل گئی ہیں اور انہیں اپنا مستقبل شاندار نظر آ رہا ہے اس وقت تک دونوں کے تعلق میں دوستداری اور تعاون کی روح نہیں پیدا ہو سکتی دوسری بات جو اس مقصد کے لئے ضروری ہے وہ اخبارات کی سلامت روی اور ہمدردانہ کوششیں ہیں اس وقت دونوں طرف کے اخبارات جھوٹ ہی نہیں بولتے بلکہ آگ برساتے ہیں یہ ان کی گرفت پر لاکھوں انسانوں کا خون ہے اور ان کے [illegible] اور خنجر کی قتل گاہوں کو ماند کر رہے ہیں۔

جب تک یہ اخبارات زندہ رہیں گے اتحاد و تعاون، امن و سلامتی کی فضا ہی سازگار نہ ہو سکے گی۔ ایک طرف دونوں طرف کی اقلیتوں کا دخل جاری ہے دوسری طرف اخبار کے تیر و نشتر اپنے کام میں مصروف ہیں ایسی حالت میں کون کہہ سکتا ہے کہ نفرت کینے اور خواہش کرنے سے اس زہر کا تریاق مہیا ہو سکے گا اور دونوں یک بیک ایک دوسرے کا جام صحت نوش فرمانے لگیں گے۔ (الجمعیۃ)

آر ایس ایس اور کانگریس

(بقیہ سلسلہ صفحہ اول)

تہذیبی سرگرمیوں کا کھوکھلا پن ظاہر کر رہا ہے۔ راشٹریہ سنگھ کی جو عظیم الشان شیرازہ بندی ہے اس کے ذہنی یا فلسفیانہ اجزا بہت ہی بودے ہیں۔ مسٹر گولوالکر بجائے اس کے کہ وہ صرف ایک ایسے مذہبی ... کی حیثیت پر قانع رہتے جو تہذیبی اور تمدنی مشاغل میں مصروف رہتا ہے وہ زمانہ قدیم کے پاپائے روم کی طرح اپنی قوت و جلال کے اظہار کے ساتھ گھومتے پھرتے ہیں۔ واقعات و حقائق کو نظر انداز کر کے محض منطقی قیاسات کی پیروی کرنا محض احمق بننا ہے۔ اور اگر ہم احمق نہیں بھی ہیں تو پھر ہم بے ایمان ہیں۔

(نیشنل ہیرالڈ لکھنؤ)

اُردو کا مستقبل

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۵)

صحت مند اردو ہیں۔ ان پر اگر کسی طرح نہیں تو اس طرح تو اُردو کی خدمت کا فرض عائد ہوتا ہی ہے کہ وہ اُردو کتابیں اور رسائل زیادہ سے زیادہ تعداد میں خریدیں اور پڑھیں ورنہ انہیں اُردو کے مستقبل کے متعلق سوال کرنے کا بھی حق باقی نہیں رہ جائیگا۔ (قومی آواز)

ایک سال کے عرصے میں انتخابات منعقد کئے جائینگے

ڈاکٹر راجندر پرشاد کی تقریر

رانچی۔ ۳ نومبر۔ ہندوستانی مجلس دستور ساز کے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد نے یہاں پر ایک جلسہ عام پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ وہ تمام رسمی تعلقات جو ابھی ہندوستان اور برطانیہ کے مابین باقی ہیں آئندہ چند مہینوں ختم ہو جائیں گے جب کہ آزاد ہندوستان کے دستور کو روبہ عمل لایا جائے گا۔

سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے ڈاکٹر راجندر پرشاد نے کہا کہ تقریباً ایک سال کے عرصے میں نئے انتخابات کئے جائیں گے۔ اور مختلف جماعتیں انتخاب میں حصہ لیں گی۔ چند جماعتیں اپنے فرقہ کی بہتری کے لئے چند اپنے صوبہ اور قومیت کی بہتری کے لئے اور چند پورے ہندوستان اور ملک میں بسنے والے تمام باشندوں کی بہتری کے لئے پروگرام بنا کر انتخاب میں حصہ لیں گی۔ آپ نے فرمایا کہ نئے دستور نے رائے دہی بالغاں کے اصول کو رائج کر کے عوام پر بڑی بھاری ذمہ داریاں عائد کر دی ہیں۔

رائے دہی بالغاں کی تشریح کرتے ہوئے ڈاکٹر پرشاد نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر وہ عاقل اور بالغ مرد یا عورت جس کی عمر ۲۱ سال یا اس سے زائد ہو رائے دے سکتا ہے۔ سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے ڈاکٹر پرشاد نے کہا کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد سے جب کہ مہاتما گاندھی اور عوام کی قربانیوں کے باعث ہندوستان نے آزادی حاصل کی اور برطانیوں نے کل اقتدار ہندوستانی قائدین کے حوالے کر کے اپنا بوریا بستر باندھ لیا عوام پر غیر معمولی ذمہ داریاں عائد ہو گئی ہیں آپ نے کہا کہ آزاد شہری کی حیثیت سے ہر فرد پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ملک کے استحکام اور خوشحالی کے لئے پوری کوشش کرے اور ملک کی قسمت گری میں حکومت کی جانب اپنا دست تعاون دراز کرے۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد نے عوام سے اپیل کی کہ وہ اپنے قلوب کا جائزہ لیں کہ آیا انھوں نے آزاد شہری کی حیثیت سے اپنے فرائض کی تکمیل اور ذمہ داریوں کی انجام دہی میں تساہل تو نہیں برتا آپ نے کہا کہ میں حکومت کے خلاف تنقید کرنے کو برا نہیں سمجھتا مگر تنقید حکومت کو مدد دینے کے نقطہ نظر سے کی جانی چاہئے آخر میں ڈاکٹر پرشاد نے فرمایا کہ اگر ہندوستان کو مستحکم اور خوشحال بنانا ہے تو ہندوستان میں بسنے والے پس ماندہ قبیلوں کو ہندوستان کے دوسرے عوام کی مانند تعلیمی، معاشی اور ثقافتی میدان میں ایک بلند سطح پر لانا ضروری ہے۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد کی تقریر سے قبل ہندوستان کے وزیر محال مسٹر جگ جیون رام نے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے کے جذبہ کی مذمت کی۔ جو چند لوگوں میں دن بدن روبہ ترقی ہے۔ آپ نے کہا کہ غذا اور لباس کے مسائل جن سے آج کل ہمارا ملک دوچار ہے غلط طریقہ تقسیم کا نتیجہ ہیں۔ آپ نے کہا کہ چور بازاری اور رشوت کھسوٹ جو آج کل شباب پر ہے اس کی ذمہ داری عوام پر بھی عائد ہوتی ہے انھوں نے عوام سے اپیل کی کہ وہ ملک کو خوشحال بنانے کے لئے اس مسئلہ میں حکومت کی جانب اپنا دست تعاون بڑھائیں۔ اس جلسہ کی صدارت بہار کی صوبائی کانگریس کمیٹی کے سابق صدر شری مہادیو پرشاد نے کی۔

ملازمین صرف خاص کا جلسہ عام

انجمن محافظ حقوق ملازمین جمعیت صرف خاص کے زیر اہتمام ۵ ردے کو باغ عامہ میں علیحدہ کردہ ملازمین صرف خاص کا ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس میں کئی مزدور قائدین نے تقریریں کیں۔ جلسہ کی صدارت راجہ کنھیا پرشاد صدر انجمن نے کی۔ اس موقع پر ڈاکٹر ملکوٹے صدر ضلع کانگریس کمیٹی حیدرآباد نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ پولیس ایکشن کے پہلے اور بعد کے واقعات سے ملازمین کے دلوں میں کیا توقعات پیدا ہوئیں۔ ان کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں البتہ میں اس قدر ضرور کہوں گا کہ عوام کے دلوں کی ایک دیرینہ تمنا یہ ضرور تھی کہ عوامی حکومت آنی چاہئے۔ چنانچہ عوامی حکومت آئی لیکن موجودہ حکومت کی طرف سے جب تک عوام کی حقیقی خدمت نہ ہو عوام کے دکھ سکھ کا خیال صحیح طور پر نہ ہو وہ عوامی حکومت نہیں کہی جا سکتی۔ اب جب حال سات ہزار بیکسوں کی پکار جب تک نہیں سنی جائے گی اس وقت تک عوامی حکومت اپنے فرض سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ آپ کو ہراساں ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں بے طریقہ کو کرنے کی بجائے آپ کو اپنے حقوق و مطالبات آئینی طور پر منوانے چاہئیں اور کانگریس کا بھی فرض ہے کہ وہ آپ کے مطالبات پر غور کرے۔ میں بحیثیت ایک شاہی بے روزگار ان کے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے جائز مطالبات حکومت تک پہنچانے کے لئے ہر طرح کام کروں گا۔

اپنی صدارتی تقریر میں راجہ کنھیا پرشاد نے کہا کہ ملازمین کی علیحدگی کی ذمہ داری خود غرض آفیسروں کے سر ہے طرفہ یہ کہ ملازمین جمعیت کا شمار اعلیٰ سے ادنیٰ کیا جا کر سوئے ہوئے فتنہ کو بیدار کیا گیا ہے اور عزت داروں کو بے عزت کیا جا رہا ہے۔ یہ بادشاہ سلامت کے ساتھ غداری ہے۔ ہمارے مالک کو ہم سے دردمندی ہے اور ہمارے مطالبات پر ضرور غور ہوگا۔

امریکی اور ہندوستانی نمائندوں کی مجوزہ کانفرنس

نئی دہلی ۸ دسمبر۔ ہندوستانی اور امریکہ کے نمائندوں کی نئی دہلی میں ایک کانفرنس کے انعقاد کی تجویز پیش کی ہے جو ۱۲ دسمبر تک جاری رہے گی اس کانفرنس میں زندگی کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا جائے گا۔ یہ کانفرنس امریکی کونسل برائے بحر الکاہلی تعلقات اور ہندوستانی کونسل برائے امور خارجہ کی سرپرستی میں منعقد کی جا رہی ہے۔ اس کے انعقاد کا مقصد بتایا گیا ہے کہ ہندوستانی اور امریکی تعلقات کے پیش نظر ان عوامی مسائل پر غور کیا جائیگا جو اس سلسلہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس کانفرنس کا موضوع بحث ممالک متحدہ امریکہ اور ہندوستان میں سماجی، سیاسی، تہذیبی اور مالی تعلقات کا استحکام اور بہتر تعلقات ہوگا۔ فی الوقت امریکہ کی جانب سے ۲۵ مشہور امریکی شہریوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔ جن میں چھ وہاں کی یونیورسٹیوں کے صدور بھی شامل ہیں۔ کانفرنس میں حصہ لیں گے بتایا گیا ہے کہ ۱۲ دسمبر کو ایک عوامی جلسہ ...

اعلان

نشان ۱۱ واقع ۸ ردی ۱۳۵۹ف یکم جنوری ۱۹۵۰ء سے جدید راشن کارڈز پر غلہ اجراء کیا جائے گا۔ حیدرآباد و سکندرآباد میں چونکہ موجودہ راشن کارڈز کی مدت ماہ دے ۱۳۵۹ف م ماہ نومبر ۱۹۴۹ء میں ختم ہو رہی ہے۔ لہذا طے کیا گیا ہے کہ بجائے سلپ چسپاں کرنے کے وسط نومبر ۱۹۴۹ء سے ختم دسمبر ۱۹۴۹ء تک کی مدت کے لئے ان ہی راشن کارڈز کے غیر استعمال شدہ خانوں پر غلہ کی اجرائی عمل میں آئے گی جس کے متعلق ضروری ہدایات دوکانداروں کو دی جا چکی ہیں۔ لہذا کارڈز کو بغرض تجدید دفتر وارڈ پر پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے جدید راشن کارڈ یکم جنوری ۱۹۵۰ء سے قبل عوام کو تقسیم کر دئے جائیں گے۔ اگر اتفاقاً کسی شخص کو اس کا نیا کارڈ ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۹ء تک نہ ملا تو اس کو جلد از جلد وارڈ متعلقہ پر رجوع ہو کر حاصل کر لینا چاہیے۔ فقط

منجانب
ناظم راشن بندی

اعلان

نشان (۱۲) — واقع ۸ ردے ۱۳۵۹ف

حکم نگرانی شکر ۱۳۵۸ف کے تحت جن چلر و تھوک فروشان و خانگی اشخاص کو کوئی اجازت نامہ اجراء نہ ہوا ہو ان کو ذریعہ ہذا اطلاع دی جاتی ہے کہ جس قدر ان کے قبضہ میں اسٹاک شکر ہو بذریعہ تحریر نظامت راشن بندی واقع عابد روڈ پر تا تاریخ دار دے ۱۳۵۹ف تک اطلاع دیں بعد مرور تاریخ مذکورہ اگر کسی کے پاس شکر برآمد ہو تو ان کے خلاف کارروائی ضابطہ کی جائے گی۔ کوئی شخص یا اشخاص چلر یا تھوک فروش سوائے دوکانداران راشن کے شکر یا جس کو بموجب احکام نگرانی شکر ۱۳۵۸ف اجازت نامہ اجراء ہوا ہو اسٹاک شکر نہ رکھ سکیں گے نہ بغیر اجازت نامہ کے فروخت کر سکیں گے۔ فقط

ناظم راشن بندی

کشمیر کمیشن کی رپورٹ

لیک سکیس۔ ۱۰ نومبر۔ اخبار ٹائمز آف انڈیا کا نامہ نگار مقیم لیک سکیس رقمطراز ہے کہ آئندہ سال ماہ جنوری سے قبل مسئلہ کشمیر متحدہ قوموں کی سلامتی کونسل کے سامنے نہ آئے گا۔ کیونکہ کشمیر کمیشن کی رپورٹ دسمبر کے وسط میں مرتب ہوگی۔ اطلاع ملی ہے کہ رپورٹ کا مسودہ تیار کرنے کے بارے میں ارکان کمیشن کو ایک دوسرے سے اختلاف ہے۔ سمجھا جاتا ہے کہ ارکان کا ایک طبقہ چاہتا ہے کہ مصالحتی گفتگو ناکامی میں دونوں فریقین ہندوستان اور پاکستان کا کس حد تک حصہ ہے بتلایا جائے لیکن دوسرے ارکان چاہتے ہیں کہ رپورٹ میں صرف حقائق پیش کر دئے جائیں اور ان سے نتائج اخذ کرنا سلامتی کونسل کا کام ہے۔ تاہم ایک متفقہ رپورٹ پیش کرنے کی مساعی جاری ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ سمجھا جا رہا ہے کہ کشمیر کمیشن کے فوجی مشیر لفٹننٹ جنرل ڈولائی کو عنقریب حکومت بلجیم واپس طلب کرے گی جنرل ڈولائی بلجیم کے باشندہ ہیں۔ حال ہی میں جنرل ڈولائی پر حکومت کشمیر نے الزام عائد کیا تھا انھوں نے سفارتی مراعات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر سری نگر۔ کے ایک شخص کی املاک کو پاکستان میں منتقل کر دیا ہے جسے حکومت نے ناپسندیدہ قرار دیا تھا۔ جنرل ڈولائی کے جانشین کی حیثیت سے ابھی کسی کا نام پیش نہیں کیا گیا۔

باہتمام چھپکر دفتر حکمت سانچہ ترپ حیدرآباد دکن سے شائع ہوا۔ ۲م